(۳۱)

قربِ قیامت کی چار علامات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "يُوْشِكُ أَن يَّأْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰى مِنَ الإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهُ، وَلَا يَبْقٰى مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا رَسْمُهُ، مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ، وَهِيَ خَرَابٌ مِّنَ الْهُدٰى، عُلَمَاؤُهُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ أَدِيْمِ السَّمَاءِ، مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَ فِيْهِمْ تَعُوْدُ".

(مشكوة/ص:۳۷/كتاب العلم، رواه البيهقي في شعب الإيمان/الفصل الثالث)

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رحمت عالم ﷺ کا ارشاد ہے: "لوگوں پر عنقریب وہ زمانہ آئے گا جس میں اسلام کا نام اور قرآن کے محض الفاظ باقی رہ جائیں گے، ان کی مسجدیں (بظاہر) بارونق ہوں گی، مگر رشد و ہدایت سے خالی اور ویران ہوں گی، ان کے علماء آسمان کی نیلی چھت کے نیچے (بسنے والی مخلوق میں سب سے زیادہ) بدتر ہوں گے (والعیاذ باللہ العظیم) (ظالموں کی حمایت کی وجہ سے) فتنہ ان ہی سے نکلے گا اور پھر ان ہی میں عود کرے گا (لوٹے گا، یعنی ان پر ہی ظالم مسلط کر دیے جائیں گے) (نعوذ باللہ من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا)

www.besturdubooks.wordpress.com

ہر چیز کا ایک ظاہر ہے، ایک باطن

اس کائنات میں جتنی بھی چیزیں ہیں خواہ ان کا تعلق ظاہر سے ہو یا باطن سے، تکوینی امور سے ہو یا تشریعی امور سے، غرض ہر چیز کا ایک ظاہر ہے، ایک باطن، ایک ہیئت ہے ایک ماہیت، یا کہیے کہ ایک صورت ہے، ایک حقیقت، اور پھر یہ اصول بھی سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ کسی بھی چیز کی بقا صورت اور حقیقت دونوں پر موقوف ہے، یعنی اس کی صورت کا مدار حقیقت پر ہے تو حقیقت کا مدار صورت پر، کسی بھی ایک کے نہ ہونے سے اصلیت اور منفعت ختم ہو جائے گی، بالخصوص اس وقت جب کہ محض ظاہری صورت ہو، مگر باطنی حقیقت نہ ہو تو اس کی افادیت باقی نہیں رہ سکتی۔

حدیث بالا سے یہ مضمون بھی مفہوم ہوتا ہے، رحمت عالم ﷺ کا قلبِ اطہر وحی الٰہی اور نورِ الٰہی کا مَہبَط و مرکز تھا، آپ ﷺ نورِ الٰہی سے دیکھ کر حالات و کیفیات کے دھارے کو سمجھ لیا کرتے تھے، آپ ﷺ نے اپنی دور بیں نظروں سے دیکھ کر آئندہ کے حالات کی منظر کشی فرمائی: "يُوشِكُ أَنْ يَّأتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ"..... عنقریب لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا۔ (جس کی چند علامتیں ہیں)

اسلام کی اصلیت نہیں، صرف اس کا نام ہم میں باقی ہے:

اس حدیث شریف میں اخبارِ غیب کے طور پر قربِ قیامت کی چار علامتوں کا ذکر فرمایا ہے: جن میں پہلی علامت یہ ہے کہ "لَا يَبْقَى مِنَ الإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهُ" اسلام کی صورت اور نام تو باقی رہ جائے گا، مگر حقیقت اور اصل روح ختم ہو جائے گی، چناں چہ آج دیکھ لیجئے ہماری زندگی میں اسلام کا نام تو ہے، مگر اس کے احکام پر عمل نہیں (الا ماشاء اللہ) مطلب یہ ہے کہ اس وقت اسلام کے تعلق سے جتنی بھی چیزیں ہیں جن پر اسلام کا نام بولا جاتا ہے مثلاً نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ، ان سب کی صورت تو ہے، مگر اصلیت اور حقیقت نہیں،

حالاں کہ اسلام تو آج بھی اپنی تمام آب وتاب اور روحانی کیفیات کے ساتھ باقی ہے، مگر افسوس کہ اسلام کے نام لیوا مسلمانوں کی زندگی احکامِ اسلامیہ سے دور ہونے لگی، جس کا ایک اثر یہ ہے کہ اب ساری عبادتیں یا تو رواجاً ادا کی جاتی ہیں یا پھر ریاءً (الا ماشاء اللہ) خالصۃً لوجہ اللہ بہت کم ادا کی جاتی ہیں، اور یہ حدیث بالا میں قربِ قیامت کی پہلی علامت بیان فرمائی۔

قرآن کی تلاوت اور اس کی تعلیم پر عمل، دونوں مطلوب ہیں:

دوسری علامت یہ بتلائی کہ "لَا يَبْقٰى مِنَ الْقُرْاٰنِ إِلَّا رَسْمُهٗ" قرآنِ کریم کے الفاظ، نقوش وحروف تو باقی رہ جائیں گے، جسے لوگ تلاوت تو کریں گے، مگر تلاوت سے جو عمل مقصود ہے وہ مفقود ہوگا، گویا خوش الحانی سے تلاوتِ قرآنی تو ہوگی، مگر خود پڑھنے والوں کو احکامِ قرآنی پر عمل سے کوئی دلچسپی نہ ہوگی، حالانکہ اگر قرآن کی تلاوت کرنا یہ ایک بنیادی حق ہے، تو اس پر عمل کرنا دوسرا بنیادی حق اور مومن کی پہچان ہے، فرمایا:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ أُولٰئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ (البقرۃ: ۱۲۱)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی جب کہ وہ اس کی تلاوت اس طرح کرتے ہیں جیسا اس کی تلاوت کا حق ہے تو وہی لوگ (درحقیقت) اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

حضرات صحابہؓ وصلحاء کی بھی یہی شان تھی، ان میں یہ دونوں باتیں تھیں، وہ قرآن کی تلاوت بھی کرتے تھے، اور قرآن کی تعلیم واحکام پر عمل بھی کرتے تھے، کہ دونوں چیزیں اہل قرآن سے مطلوب ہیں۔ حضرت ابوعبدالرحمن سُلَمیؒ فرماتے ہیں: "جب ہم دس آیتیں قرآن کی سیکھتے تو بعد کی دس آیتیں اس وقت تک نہ سیکھتے جب تک اُن سیکھی ہوئی دس آیات میں بیان کردہ (احکام) حلال وحرام اور امر ونہی کو جان نہ لیتے" (اور اُن پر حسب موقع عمل نہ کر لیتے)۔ (حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور دور حاضر کے فتنے/ص:۹۱)

صحابہؓ وصلحاء کے اس طرزِ عمل کا یہ اثر تھا کہ بعض اوقات ان کے لیے قرآن کو یاد کرنا تو مشکل مگر عمل کرنا آسان تھا، جب کہ آج اس کا عکس ہے، قرآنی الفاظ تو ہیں، اُن پر عمل نہیں،

www.besturdubooks.wordpress.com

اس لیے تلاوت اور حفظ کرنا آسان اور عمل کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: ''ہم پر الفاظِ قرآنی کا یاد کرنا مشکل ہے، مگر عمل کرنا بڑا آسان ہے، اور ہمارے بعد والوں پر حفظِ قرآن تو آسان ہوگا، مگر عمل کرنا مشکل ہوگا۔'' (تفسیر قرطبی)

صاحبو! اب تو ایسا لگتا ہے کہ اسلام اور اس کی صداقتیں قرآن میں ہیں، اور ان پر عمل کرنے والا مسلمان قبرستان میں ہے، آج ہمارے پاس قرآن ہے، پھر بھی ہم پریشان اس لیے ہیں کہ ہم اس کے الفاظ کی تلاوت تو کرتے ہیں، مگر اس پر عمل نہیں کرتے، جو قربِ قیامت کی علامت ہے، بلاشبہ تلاوت بھی باعث برکت ہے، مگر قرآن پر عمل نہ کرنا باعث ہلاکت ہے۔

باتوں سے بھی بدلی ہے کسی قوم کی تقدیر؟
بجلی کے چمکنے سے اندھیرے نہیں جاتے

مساجد رشد و ہدایت سے ویران:

تیسری علامت قربِ قیامت کی حدیث میں یہ بیان فرمائی گئی کہ "مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ، وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدَى" اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ مسجد تو رشد و ہدایت کا مرکز ہے، لیکن قربِ قیامت میں یہ ہوگا کہ ان کی مسجدیں ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے بارونق، زیب و زینت سے معمور اور بھرپور ہوں گی، مگر حقیقت کے اعتبار سے ہدایت سے خالی اور ویران ہوں گی، یہ پیشین گوئی بھی آج حرف بحرف صادق آرہی ہے۔

عاجز کا ناقص خیال ہے کہ پہلے مساجد کو اللہ تعالیٰ کا گھر کہا جاتا تھا، اب ان مساجد کو اللہ تعالیٰ کا بنگلہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا! آج مساجد کو عالی شان بنانے، سجانے اور آراستہ کرنے کا تو اہتمام ہوتا ہے، مگر ان کے مقاصد اور مقتضی پر عمل کرنے کی فکر نہیں ہوتی، نماز،

www.besturdubooks.wordpress.com

تلاوت اور عبادت وغیرہ سے ان کو آباد کرنے کی فکر نہیں ہوتی، الا ماشاء اللہ۔ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے اسی مضمون کو کیا خوب بیان فرمایا ہے:

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برق طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذاں، روح بلالیؓ نہ رہی
فلسفہ رہ گیا، تلقین غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصافِ حجازی نہ رہے

شاہ صاحب علامہ سید عبدالمجید ندیمؔ صاحبؒ فرماتے ہیں:

"کسی زمانہ میں مسجدیں تو کچی ہوتی تھیں، مگر نمازی بڑے پکے ہوتے تھے، اور آج مسجدیں پکی، نمازی کچے۔" (الا ماشاء اللہ)

مسجدوں کے ویران ہونے کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ مساجد صحیح فکرمند علماء و متولیان سے خالی ہو جائیں گی، جس کا اثر یہ ہوگا کہ جاہل متولیان اور علماءِ سوء ان پر قابض ہو جائیں گے، پھر جو مساجد رشد و ہدایت کے مراکز ہیں وہیں سے خرابی و گمراہی پھیلے گی، اور یہ قربِ قیامت کی علامت ہے۔ آج کے پرفتن دور میں اس کا نقشہ ہمارے سامنے ہے، تاہم آئندہ کل کے مقابلہ میں آج کے موجودہ حالات و ماحول کو غنیمت ہی کہا جا سکتا ہے، ورنہ محدثین کی تشریح کے مطابق وہ وقت بھی آئے گا جب مساجد کا یہ رہا سہا کردار بھی داؤ پر لگ جائے گا، اور مساجد اِس ماحول کو بھی ترستی نظر آئیں گی۔ (نعوذ باللہ من ذٰلک)

علماءِ سوء کا فتنہ:

چوتھی علامت قرب قیامت کی یہ بیان فرمائی گئی کہ "عُلَمَاؤُهُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ

www.besturdubooks.wordpress.com

أَدِيمِ السَّمَاءِ" وہ علماء جو ذی شان ہونے کے سبب خالق ومخلوق میں عزیز ہوتے ہیں، مگر اس زمانہ میں سب سے زیادہ ذلیل وہی لوگ ہوں گے، وجہ یہ ہے کہ ان سے تو اتفاق اور محبت کا سبق دنیا نے سیکھا ہے، مگر اس زمانہ میں علماءِ سوء ہی اختلاف، نفرت اور فتنہ وفساد کا سبب بنیں گے، اور پھر فتنے ان ہی میں لوٹیں گے، علماءِ محدثین نے اس کے مختلف مطالب بیان فرمائے ہیں:

۱- ایک مطلب یہ ہے کہ ظالم حکمرانوں کی حمایت کے سبب فتنہ ان ہی سے وجود میں آئے گا، اور پھر جب تک یہ خود فتنہ ختم نہ کریں باقی رہے گا۔

۲- دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ فتنہ کے بانی مبانی چوں کہ علماءِ سوء ہوں گے، اس لیے اس کا وبال بھی ان ہی کو ہوگا، یعنی پھر اُن پر خود ان ہی ظالم حکمرانوں کو مسلط کردیا جائے گا۔

علماءِ خیر وعلماءِ سوء کی علامات:

حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ نے ایک موقع پر فرمایا کہ "درحقیقت (علماءِ سوء) وہ مذہب کے نادان حامی ہیں جن کی دوستانہ حمایت ہمیشہ دشمنوں کی مخالفت سے زیادہ دین کے لیے مضر رہی ہے" کیوں کہ آج تک جو گمراہ فرقے اور فرقِ باطلہ ہوئے ان کے بانی دراصل اسی قسم کے نام نہاد علماءِ سوء رہے ہیں، جو اپنے نام کے ساتھ لفظ "عالم" لگا کر عوام الناس کو دھوکا دیتے ہیں۔

لیکن یاد رکھو! اس حدیث میں اور اس طرح کی حدیثوں میں علماء کے لیے جتنی بھی وعیدیں ہیں ان سب کے مصداق یہی علماءِ سوء ہیں، جن کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ فتنہ وفساد اور خرابی ان سے پھیلتی ہے، اس کے برخلاف جو علماءِ خیر ہیں ان کے بڑے فضائل ہیں، ان کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ ان سے حق اور ہدایت پھیلتی ہے۔

مزید علماءِ خیر کی چند علامتیں وہ ہیں جن کو امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں بیان فرمایا ہے، مثلاً:

(۱) وہ اپنے علم سے دنیا نہ کماتے ہوں، کیوں کہ حکم ربانی ہے: ﴿لَا تَشْتَرُوْا بِآيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ (البقرة: ۱۱) میری آیتوں کو معمولی قیمت لے کر نہ بیچو۔ یعنی اس سے دنیا نہ کماؤ۔

(۲) ان کے قول وعمل میں تعارض نہ ہو، قرآن نے متوجہ کیا ہے: ﴿أَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ﴾ (البقرة: ٤٤) کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو؟

(۳) ایسے علوم وامور میں مشغول ہوں جو آخرت میں کام آئیں، اور ایسے علوم وامور سے احتراز کریں جن کا آخرت میں کوئی نفع نہ ہو۔

قرآنِ کریم نے کامیاب مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ﴾ (المؤمنون: ۳) وہ لوگ لغو اور بے کار مشغلہ (جس میں نہ دنیا کا کوئی فائدہ ہو، نہ آخرت کا ایسی چیزوں) سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔

(۴) کھانے پینے اور لباس کی نزاکتوں وعمدگیوں کی طرف متوجہ نہ ہوں، بلکہ اُن میں میانہ روی اختیار کریں، ارشادِ باری: ﴿وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ (ص: ٨٦) کے مصداق ہوں۔

(۵) حُکام اور امراء سے دوری اختیار کریں۔ (اور اگر ان سے تعلق بھی ہو تو خیر کی نیت سے، مگر اس میں بھی تملق یعنی چاپلوسی ہرگز نہ ہو) اور جن میں یہ باتیں نہیں وہ علماءِ سوء ہیں۔

رات اور دن میں جتنا فرق ہے، آسمان اور زمین میں جتنا فرق ہے، اس سے زیادہ فرق علماءِ خیر اور علماءِ شر میں ہے، دونوں کو ایک ہی صف میں شامل کرنا علامت جہل اور منشأ

حدیث کے قطعاً خلاف ہے۔(فافہم)

علماءِ سوء کی مذمت:

وہ علماءِ سوء جو دنیا کے معمولی نفع کے خاطر اسلام کے ابدی احکام میں تحریف کے لیے آمادہ ہوجاتے ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق فتوے دینے لگتے ہیں، جن کے قال اور حال میں کافی فرق ہے، جن کی خلوت اور جلوت میں بھی بُعدُ المشرقین ہے، جنہوں نے علم کی حلاوت کو لیا، مگر عمل کی مشقت کو ترک کردیا، جن کا قول فعل کے اور فعل قول کے خلاف ہے، اور جو باتیں تو ''خیر البریۃ'' کی کرتے ہیں، مگر خود ''شر البریۃ'' میں ہیں، جو اوروں کو سمجھاتے ہیں، مگر خود نہیں سمجھتے، (العیاذ باللہ العظیم) ایسے بے عمل علماءِ سوء کو قرآنِ کریم نے گدھوں سے تشبیہ دی، فرمایا:

﴿ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَاراً ﴾ (الصف : ٥)

اور بدعمل علماءِ سوء کو قرآن نے کتوں سے تشبیہ دی، فرمایا:

﴿ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ﴾ (الأعراف : ١٧٦)

کیوں کہ سارے عالم میں اور دین و مذہب میں فساد ان ہی علماءِ سوء سے پھیلا ہے، بقولِ شاعر:

آج کے علماءِ سو بہت ہی مکار ہیں
چال بازی، مکر سازی میں بڑے ہوشیار ہیں
آج کل جتنی خرابی دین و مذہب میں ہے
اس کے بانی مبانی بس یہی بدکار ہیں

یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے بہتر حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام کے بعد علماءِ خیر ہیں، اور سب سے بدتر علماءِ شر ہیں، اللہ پاک بلا کسی استحقاق کے محض اپنی رحمت سے ہمیں علماءِ خیر میں شامل فرما کر علماءِ سو سے محفوظ فرمائے، آمین۔

www.besturdubooks.wordpress.com

حالاتِ حاضرہ کا تقاضا:

اس وقت حالات حاضرہ کا تقاضا یہ ہے کہ علماء اپنی ذمہ داری اور موقع کی نزاکت کو بھی سمجھیں، اور ﴿ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ﴾ (الحجرات : ۱۰) قرآنی ہدایت کو پیش نظر رکھیں۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۲۰ء میں منعقد ہونے والے سہ روزہ جمعیۃ علماء ہند کے سالانہ اجلاسِ دوم میں اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا کہ: ''جماعت علماء جو حقیقۃً مسلمانوں کے مذہبی قائد ہیں، ان کا فرض ہے کہ اس وقت موقع کی نزاکت اور اہمیت کو نظر انداز نہ کریں، آپس کے نزاع اور اختلاف میں پڑ کر مقصد کو خراب نہ کریں، ورنہ مسلمانوں کی خرابی و بربادی کی تمام تر ذمہ داری ان ہی پر عائد ہوگی، علمی تدقیقات و تحقیقات کے لیے آپ کے واسطے بہت سے میدان کھلے ہوئے ہیں، عبادات اور ریاضات کے لیے بہت سی راتیں بلاشرکت غیر آپ کو حاصل ہیں، مگر جو کام جبل احد اور میدان بدر میں ہوا وہ مسجد جیسی مقدس جگہ مناسب نہ تھا۔'' (حالات حاضرہ پر ۸۰ سال پہلے کا فیصلہ/ص:۱۹)

واقعہ اور خلاصہ یہ ہے کہ علماء اس امت کا قلب ہیں، اور حدیث پاک میں قلب کا حال یہ بیان فرمایا کہ اگر وہ ٹھیک ہے تو سارا جسم ٹھیک ہوگا، اور اگر دل ہی بگڑا ہے تو پھر جسم کی بھی خیریت نہیں رہے گی، ٹھیک یہی حال علماءِ امت کا ہے، اگر ان میں فساد ہے (العیاذ باللہ العظیم) تو امت میں اس سے ہزار گنا فساد زیادہ ہوگا، اور اگر ان میں صلاح ہے تو پھر ان شاء اللہ اس کا اثر امت میں بھی صلاح کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

اللہ پاک ہمیں حقائق سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

يَا رَبِّ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَائِماً أَبَدًا

عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمُ